مطلق العنان اقتدار کے تحت محدود مذہبی مناصب

اوّلین تجربہ ـــــ عبّاسی دَور میں

(۲)

نعیم صدّیقی

(ایک محدود مضمون کا خاکہ لے کے چلا تھا مگر جب اس کی تیاری کے لیے مطالعہ شروع کیا تو تاریخ کی دلچسپ وادیوں کی سیر کرتے ہوئے ایک ایک ذرّہ کی لوحِ جبیں پر ماضی کے رنگا رنگ نقوش سامنے آئے اور بے اختیار جی چاہا کہ اپنی ملّی حکایتِ خونچکاں کے بکھرے ہوئے ـــ زیادہ سے زیادہ ـــ اوراق لالہ و نرگس و گل سے چھین لاؤں اور پھر ایک ایک سطر میں قرنوں لمبے ابواب کو سمیٹ دوں، سو وہی ہوا کہ:

" افسانہ کہ گفت نظیری کتاب شد

اب پیشتر اس کے کہ راہوارِ قلم عنوان کے مطابق اصل مرحلۂ شوق میں داخل ہو، کچھ مشکل گھاٹیوں کے جادۂ پُرپیچ کو قطع کرنا لازم ہو گیا ہے۔ جیسے کہ عشق کے ایک مارے نے کہا تھا کہ ؎

کیف الوصول الیٰ سعاد ودونها
قلل الجبال و بینها حتوف

اس مقالہ سے مختلف حلقوں میں خاصی دلچسپی لی گئی ہے۔ بہت سے تاثرات مجھ تک پہنچے ہیں۔ اسی سلسلے میں بعض محبت کیش مبصرین کی یہ رائے بھی سامنے آئی ہے کہ مستشرقین کے ہاں سے استناد صحیح نہیں، کیونکہ ان حضرات کے ہاں اوّل تو کھلا یا چھپا ہوا تعصب کارفرما ہوتا ہے اور مستزاد یہ کہ معلومات غلط طور پر اخذ کردہ ہوتی ہیں۔ مَیں

خود اسی کا قائل ہوں۔ کوئی بات مجرد ان کے اقوال پر مبنی نہیں کرتا بلکہ تقریباً ہر بات کے لیے میرے سامنے سب سے پہلے اساسی مآخذ کے حوالے ہیں، مرتبۂ ثانی پر اردو یا عربی میں زمانۂ حال کے جن علماء نے متعلقہ بحثوں پر کچھ لکھا ہے ان کی تحریریں پیش نظر ہیں اور مرتبۂ ثالث پر پہلے سے ثابت شدہ امور کی تائید میں بعض حوالے یا اقتباسات مستشرقین کے ہاں سے صرف اس لیے لے رہا ہوں کہ انگریزی پرست اور مستشرق پسند عنصر کی تسلی ہو سکے۔ فی الوقت تو میں اس مقالے کو عجلت میں لکھ رہا ہوں اور ضروری باتوں کے لیے کوئی ایک آدھ حوالہ درج کر رہا ہوں۔ کیونکہ اس کی اقساط ایک ماہنامہ میں آ رہی ہیں۔ البتہ بعد میں اسے کتابی صورت میں شائع کرنے سے پہلے ایک ایک دعویٰ کے لیے تین تین چار چار حوالے اکٹھے درج کر دوں گا۔ اور ان شاء اللہ کوئی ایک حوالہ بھی اس وقت ایسا آپ کو نہ ملے گا جس کی اساس ہمارے اپنے مستند مآخذ پر نہ ہو اور جس کی تصدیق اصل کتب کی طرف رجوع کر کے نہ کر لی گئی ہو۔ و ما توفیقی الا باللہ العظیم!]

آگے چلنے سے پہلے اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں تازہ کر لیجیے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ کم از کم خلاصہ کے طور پر یہ حقیقت سامنے رکھیے کہ مطلق العنان اقتدار آیا تو زندگی کا وہ شیرازۂ وحدت ٹوٹ گیا جسے اسلام نے پہلی بار معیاری شان سے قائم کیا تھا۔ دورِ بادشاہت میں دو چیزوں کو اسلام کی بالادستی سے نکال لیا گیا۔ ایک سیاسی پالیسیاں اور انتظامی اقدامات، دوسرے مالیات۔ سیاسی اقتدار اور مالیات جب کسی نظریہ کے ہاتھ سے نکل جائیں تو پھر نظام اس کا نظام نہیں رہتا مگر ایک چیز ایسی اسلام کے قبضے میں رہی جس کی حیثیت عام سماجی زندگی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی سی تھی۔ یہ تھا شعبۂ عدلیہ یا نظامِ قضا۔

اسلامی نظامِ قضاء کی اہمیت یہی نظام تھا جس میں اسلام کو آہستہ آہستہ سمٹ جانا پڑا۔ پھر اسی شعبۂ عدلیہ کے مناصب ہی کو محدود مذہبی مناصب کی حیثیت حاصل ہوئی اور انہی مناصب کو ــــ اور ان پر فائز ہونے والے قاضیوں اور مفتیوں کو مطلق العنان اقتدار نے اپنا

آلۂ کار بنانے کی کوششیں کیں۔ ان کوششوں کے خلاف اربابِ عزیمت کا ایک مضبوط محاذ برسرِ کشمکش رہا اور قرونِ مابعد میں بھی ان کی قائم کردہ روایات نے ہمیشہ جیدار شخصیتوں میں تابِ مقاومت پیدا کی، لیکن دوسری طرف یہ امر واقعہ ہمارے لیے ایک سرمایۂ ندامت بھی ہے کہ کمزور اور جاہ طلب افراد نے اپنے علمِ دین کو دنیا طلبی کے قمار خانہ میں جا کر داؤں پر رکھ دیا اور مستبد حکمرانوں کے آلہ ہائے کار بن گئے۔ اوائل میں ایسے لوگ کم تھے، قرونِ مابعد میں ان کی صفیں زیادہ وسیع ہو گئیں۔ پھر یہی منصبِ قضا ہے جو نیچے جا کر "شیخ الاسلام" اور "مفتیٔ دین" اور "وزارتِ امورِ شرعیہ" اور "محکمۂ اوقاف" جیسے ادارات کی شکل اختیار کرتا گیا۔ پس ہماری کہانی کا محور یہی ہے ؎

ہمیں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا ایں جاست

نظریۂ اسلامی کے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو اس محدودیت کے باوجود جو اسلام جیسے نظامِ جامع پر مسلط کر دی گئی تھی، عدلیہ پر اسلام کا قبضہ رہنے کے معنی یہ تھے کہ لوگوں کے روزمرہ معاملات کے فیصلے اسلامی قانون کے تحت ہوں۔ کوئی بھی قانون جو معاشرہ پر اس کی عدالتوں کے ذریعے عملاً نافذ ہو رہا ہو وہ عوام الناس کی زندگیوں پر بڑا بھاری اثر رکھتا ہے حقیقت یہ ہے کہ دورِ بادشاہت میں اسلامی قانون ہی ایک ایسا عنصر تھا جس نے اجتماعی دائرے میں اثر انداز ہو کر ملت کو ملتِ اسلامیہ بنائے رکھا اور دین سے اس کا تعلق سیاسی فکری اور ثقافتی فتنوں کے طوفان میں کٹنے نہیں دیا۔ ابن المقفع جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ قانون کی اس اہمیت کو بادشاہ کے سامنے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: "واعمقها اثراً فی حیاۃ المسلمین" یعنی مسلمانوں کی زندگی پر سب سے گہرا اثر ڈالنے والا عنصر یہی اسلامی قانون ہے[1] اسلامی قانون ہی کا ایک فیضان یہ تھا کہ اس نے افراد کی زندگیوں کو نجی دائرے سے لے کر کاروباری معاملات تک مربوط کر رکھا تھا۔ بجز ایک کمی کے کہ افراد کو سیاست کے دائرے

ـــــ

[1] ضحی الاسلام ــــ از ڈاکٹر احمد امین مصری۔ ج ۱ ص ۲۱۸ (بحوالہ "رسالۃ الصحابہ" از ابن المقفع)

میں قدم رکھنے کا اذن نہ تھا اور ملکی سیاسیات قصرِ شاہی میں دوسرے ہی رُخ پر پروان چڑھ رہی تھیں۔ پھر اسلامی قانون نے تقریباً معمورۂ ارضی کی نصف آبادی کو متعدد اسباب افتراق کے ہوتے ہوئے شیرازۂ وحدت میں پرو رکھا تھا۔ مزید یہ کہ اسلامی قانون ہی کے طفیل حال کا رشتہ ماضی سے جڑا ہوا تھا اور نت نئی سیاسی گردشوں سے دوچار ہو کر بھی مسلمان وجودِ ملت کے زمانی تسلسل کو غیر منقطع محسوس کرتے تھے۔ زمانۂ حال کے ایک جواں سال مستشرق نے بھی اس حقیقت کو محسوس کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

> "اس مربوط کن قوت کا محور قانونِ شریعت تھا۔ یہ قوت اپنی پُرزور اور منضبط گردش کے تحت عبادات سے لے کر حقوقِ ملکیت تک ہر چیز کو نظم و ترتیب دیتی تھی۔ قانون نے اسلامی معاشرہ کو کارڈوبا سے ملتان تک سلکِ اتحاد میں پرو دیا تھا۔ یہ قوت فرد کی زندگی میں بھی وحدت پیدا کرتی تھی اور اپنے الہامی سانچہ کے ذریعے اس کے اعمالِ حیات کو ایک بامقصد کُل میں تبدیل کرتی تھی۔ پھر یہ زمانہ تاریخ میں بھی وحدت پیدا کرتے ہوئے معاشرہ کو تسلسل دیتی تھی، جبکہ ضابطۂ الہامی کے مطابق زمین پر ایک نظامِ اجتماعی قائم کرنے کی کوشش اسلام کی ایک مستقل مہم تھی اور اس کے دوران میں اُبھرتی اور مٹتی ہوئی بادشاہتیں اصل داستان میں ضمناً بیان ہونے والے قصوں کی حیثیت رکھتی تھیں [1]۔"

عدلیہ میں اسلامی قانون کی کارفرمائی ایک اور پہلو سے بہت بابرکت ثابت ہوئی۔ اس کی وجہ سے دینی علوم کی تدوین، تدریس اور ترویج کا کام بڑے وسیع پیمانے پر ہوا اور ہر دور کی منتخب ہستیوں نے اس پہلو سے زریں کارنامے سرانجام دیئے۔ اسلامی قانون کی تدوین کے لیے قرآن کی تفسیر اور احادیث کی ترتیب و تحقیق پر علماء نے بڑی محنتیں کھپائیں۔ زندگی کے ہر شعبے کے متعلق قانونی نظام کو استوار کرنے کے لیے اساسی نظریات و تصورات کو منقح کیا گیا۔ اسلامی

[1] ISLAM IN THE MODERN HISTORY (MENTOR) - By: W. C SMITH P: 37

نظامِ قضا ہی اس امر میں ممد ہوا کہ نظامِ تعلیم کا مرکز و محور خود اسلام رہے ورنہ اگر عدلیہ کو بھی خدانخواستہ اسلام کے اثر سے نکال لیا جاتا تو پھر اسلامیت صرف مواعظ میں رہ جاتی اور عملی زندگی سے اس کا کچھ بھی تعلق نہ رہتا۔

اسلامی نظامِ قضا کا وجود اپنے اندر بہت بڑی سیاسی اہمیت بھی رکھتا تھا۔ عدلیہ کے مناصب ہی بادشاہتی دور میں اسلامیت کے مظہر تھے۔ اور قاضیوں اور مفتیوں کی دینی شخصیتوں کو دیکھ دیکھ کر عوام الناس یہ تصور زندہ رکھے ہوئے تھے کہ ان کا معاشرہ اسلامی بھی ہے۔ خلیفہ کہلانے والے بادشاہ کی سرپرستئ دین کا سب سے بڑا ثبوت یہی ادارۂ قضا تھا۔ قضا کے مناصب پر باثر اہل علم کو لینے کے معنی یہ تھے کہ حکومت معاشرہ کی نگاہوں میں دین پسند اور حامئ شریعت قرار پائے۔ چنانچہ یزید ہی کے دور میں یہ پالیسی طے پا گئی تھی کہ حکومت کو مضبوط کرنے کے لیے باثر مذہبی شخصیتوں کو اس میں شریک کیا جاتے[1]

علمائے قانون، قاضیوں اور مفتیوں کو عوام الناس کی نگاہوں میں بڑا عزو وقار حاصل تھا اور ان میں سے اربابِ اخلاص مرجعِ خلائق بن کے رہے۔ ائمۂ اکابر کی مقبولیتِ عام کا حال تو کسے معلوم نہیں، صفِ دوم کے ایک فاضلِ قانون عبداللہ بن مبارک کے گرد رقہ میں عقیدت مندوں کا جو ہجوم ہوا اسے دیکھ کر ہارون کی ایک کنیز یہ کہہ اٹھی کہ سلطنت اس کو کہتے ہیں[2] بالفاظِ دیگر کہنا یہ چاہیے کہ علماء اور خصوصاً علمائے قانون کو جمہور میں فکری و ذہنی قیادت کا مقام حاصل تھا۔ اسی لیے حکومت مجبور تھی کہ اس صفِ قیادت کو ساتھ لے۔ چنانچہ علمائے قانون، قضاۃ اور مفتیوں کی صفیں درباری سیاست میں آہستہ آہستہ دخیل ہوتی گئیں — یہ الگ بات ہے کہ جہاں اربابِ اخلاص بادشاہت کے غلط اقدامات میں مزاحم بنتے رہے اور مناصب پر پہنچ کر انہوں نے اقامتِ دین کا معرکہ جاری رکھا، وہاں

[1] عقود الجمان۔ باب ۲۱۔

[2] تاریخ ابن خلکان۔ ترجمہ عبداللہ بن مبارک۔ سیرت ائمہ اربعہ از مولانا رئیس احمد جعفری ص ۲۲۴

دنیا طلبوں نے اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا۔ نظام الملک طوسی نے جو سلجوق اعظم کا وزیر تھا، اپنی مشہور تصنیف سیاست نامہ (مدونہ ۱۰۹۲ء) میں معاشرہ کے چھ اہم طبقات وعناصر کی جو ترتیب بیان کی ہے ان میں اگرچہ قاضیوں، مبلغوں اور محتسبین کو درجۂ آخر میں لکھا ہے مگر اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ یہ طبقہ بھی فعال اور با اثر طبقہ تھا[1]۔ حقیقت یہ ہے کہ وقت کے سماجی نقشہ میں اصحابِ علم یعنی علماء اور قاضی مرتبۂ بلند پر فائز تھے، البتہ ان کا مقام شاہ اور اس کے انتظامی افسروں کے بعد آتا تھا[2]۔ اب ذرا واقعاتی نقشے میں اس سیاسی اثر کا اندازہ کیجیے جس سے قضاۃ بہرہ مند تھے۔ مامون نے موت سے پہلے وصیت کرنا چاہی تو تین عناصر کو جمع کیا گیا: ایک افسرانِ فوج، دوسرے علماء وقضاۃ اور تیسرے خاندانِ شاہی کے افراد[3]۔ اسی طرح مقتدر کے فرار کے بعد جب جانشینی کا مسئلہ پیدا ہوا تو اسے حل کرنے کے لیے جو مجلس بیٹھی اس میں سپہ سالار، قضاۃ اور اعیانِ خلافت شریک ہوتے اور اسی مجلس کے فیصلے سے عبداللہ بن معتز کے ہاتھ پر بیعت کی گئی[4]۔ خلیفہ راشد (۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ) کے خلاف جب سلطان مسعود نے فوجی اقدام کیا اور راشد موصل بھاگ گیا تو مسعود نے بغداد کے قاضیوں اور دوسرے سرکردہ افراد کو جمع کر کے ان سے راشد کی معزولی کی تحریر لکھوائی[5]۔ جب واثق فوت ہوا تو جانشینی کا مسئلہ طے کرنے کے لیے محل میں ایتاخ، وصیف، عمر بن فرج، ابن الزیات اور احمد بن خالد ابو الوزیر جمع ہوئے جن میں قاضی القضاۃ احمد بن ابی دؤاد بھی شامل تھے۔ پہلے بیعت کے لیے محمد بن واثق کو لایا گیا، مگر کم عمری کی وجہ سے مجلس نے اسے خلافت کے لیے قبول نہیں کیا

---

[1] THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM — BY P: 69

[2] " " " " " " P: 269

[3] تاریخ طبری، ج ۷، ص ۲۰۸ (واقعات ۲۱۸ھ)۔ المامون۔ از علامہ شبلی نعمانی ص ۱۲۱

[4] مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ)۔ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۷۷

[5] الفخری۔ ص ۲۷۱ تا ۲۷۴ — مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ)۔ از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۷۸

بحث کے بعد جعفر المتوکل کو لا کر مسند نشین کیا گیا اور قاضی احمد بن ابی دؤاد نے اسے بہ دستِ خود قبائے شاہی سے آراستہ کیا، اس کی دستار بندی کی، اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا: السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گویا یہ اولین بیعت تھی[1]۔ اس طرح کے واقعات کی بنا پر ایک مستشرق یہاں تک کہتا ہے کہ جب کبھی خلیفہ موجود نہ رہتا تو حاکمیت قاضیوں کے ہاتھ میں چلی جاتی اور بحرانی زمانوں میں معاشرے کے لیے یہی لوگ راہِ عمل طے کرتے تھے[2]۔ بہر حال کسی بھی حکومت و خلافت کو جمہور سے بالا بالا سندِ جواز دینے والا حلقہ علماء و قضاۃ کو ساتھ لیے بغیر کام نہ کر سکتا تھا۔ واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ جب ہلاکو نے بغداد کو فتح کیا تو اس نے غیر مسلم ہونے کے باوجود مدرسہ مستنصریہ کے مفتیوں سے اپنی حکومت کے متعلق مشورہ طلب کیا ـــــ اور حیف کہ انہوں نے مسلمانوں پر اس کے استحقاقِ حکومت کو تسلیم کر لیا[3]۔

علمائے قانون اور مفتیوں اور قاضیوں کے سیاسی اثر کو ایک اور پہلو سے دیکھیے۔ بادشاہت سیاسی ضرورت سے جو قانون سازی (بہ تعبیر قانون یا اخذِ قانون) کرتی تھی، مطلق العنانی کے باوجود اس کے لیے مفتیوں اور قاضیوں کی تائید و حمایت ضروری تھی۔ فرماں روا ایسا اوقات قضاۃ کے مشوروں کو مفادِ عامہ یا سیاسی مصالح کے عذر سے مسترد بھی کر دیتے تھے مگر وہ بہر حال ان کے منت کش تھے۔ "قوی ترین حکمراں بھی مجبور تھے کہ ان کے واسطے سے کام کریں[4]۔" اس کی وجہ ظاہر ہے۔ معاشرہ میں جہاں پیروِ اسلام ہونے اور اسلامی قانون کے تابع ہونے کا احساس موجود تھا وہاں "عباسی فرمانروا اپنے تمام اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے[5]" تاکہ

---

[1] تاریخ طبری ج ۷، ذکر خلافت جعفر المتوکل۔ ص ۳۴۱۔

[2] THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM. P:269

[3] الفخری۔ ص ۱۹ - THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM. P:296

[4] P:296 " " " " " "

[5] مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ)، از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۲۱۵۔

ان کے نام نہاد منصبِ خلافت کی دھاک بیٹھی رہے۔ مثلاً مامون نے بعض عناصر کے زیرِ اثر متعہ کو حلال کرنے کا غیر اسلامی قانون نافذ کر دیا مگر وہ محض اس وجہ سے جاری نہ رہ سکا کہ قاضی القضاۃ یحییٰ بن اکثم نے اسے مامون کے سامنے خلافِ شریعت ثابت کیا۔ مامون نے جاری کردہ قانون دوسرے ہی روز واپس لے لیا۔[1]

اسی طرح عباسی دور کی تحریکِ اباحت کے زیرِ اثر حرمات کے استحلال کا جو ذہنی فتنہ اٹھا تھا اور جسے عشرت پسند اور "ثقافت زدہ" حکمرانوں کی سرپرستی حاصل رہتی تھی، اس نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ ایک کتاب متعہ، نبیذ، شراب، موسیقی، قمار وغیرہ کے جواز پر لکھی گئی (جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں) اس کتاب کا مقصد یہ تھا کہ بدلتے ہوئے حالات کے تحت ترقی پسندانہ قانون سازی کرنے کے لیے اور اسلام کو بالائی طبقوں کے وقتی میلانات و خواہشات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے مطلق العنان آقتدار کے سامنے "اجتہادی" راہیں کھولی جائیں۔ دوسرے لفظوں میں اسلام میں تحریف کرنے کے لیے اسلام ہی سے دلائل حاصل کیے جائیں۔ یہ کتاب محض ایک ادبی شگوفہ نہ تھی بلکہ اس کا مقصد قانون سازی کے دائرے میں محافظینِ دینِ حق کے بالمقابل انحراف پسند بادشاہت کے ہاتھوں کو فکری تائید بہم پہنچا کر مضبوط کرنا تھا۔ یہ کتاب اگر واقعی اپنی جگہ پاتی تو حالات کا رخ ہی دوسرا ہو جاتا۔ مگر یہ جب معتضد باللہ کے سامنے لائی گئی تو وقت کے قاضی القضاۃ نے اپنے دلائل سے اس کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسے نذرِ آتش کر دیا گیا۔ یہ تھا اسلامی عدلیہ کا اثر!

اربابِ عدلیہ، قضاۃ اور علماء کے سیاسی اثر کا تیسرا پہلو یہ تھا کہ اقتدار کو جب بھی کوئی اہم قدم اٹھانا ہوتا تو اسے اسی عنصر سے سندِ جواز حاصل کرنا پڑتی تھی۔ فرماں روا بہر حال معاشرے کو یہ یقین دلانا چاہتا تھا ___ اور شاید کسی قدر اپنے ضمیر کو بھی ___ کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اسلام کے مطابق ہے۔ اب جہاں معاملہ مضبوط شخصیتوں سے پڑتا وہاں اقتدار کو جھکنا پڑتا لیکن منصب کے محدود ہونے کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ جہاں ذرا کمزور آدمی ہاتھ آجاتا وہاں حکمران اسے دھڑلے

[1] تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۱۰۔ ص ۱۹۹، ۲۰۰۔ تاریخ ابن خلکان۔ حالات: یحییٰ بن اکثم۔ تاریخ الاسلام حصہ ۴ ج ۲ ص ۷۹۔ المامون از علامہ شبلی نعمانی۔ ص ۲۰۸، ۲۰۹۔

سے آلۂ کار بنا لیا جاتا۔ اس کشمکش کا حال ہم ذرا آگے بیان کر رہے ہیں۔ بہرحال چند واقعاتی مثالیں لیجیے۔

ہارون الرشید نے ایک بار یہ سوال اٹھایا کہ بنی تغلب سے حضرت عمرؓ نے جو معاہدہ کیا تھا وہ ٹوٹ چکا ہے، کیونکہ یہ لوگ اس کی ایک اہم شرط کو ترک کر چکے ہیں یعنی یہ کہ اپنی اولاد کو عیسائی نہ بنائیں گے۔ لہٰذا اب ان کا خون مباح ہے۔ مگر وہ بنی تغلب کے خلاف عملاً قدم اٹھانے سے پہلے مجبور تھا کہ معاملہ دینی سربراہ کاروں کے سامنے رکھے۔ امام محمدؒ نے ہارون کے نقطۂ نظر کو غلط ثابت کر دیا اور یہ اقدام رک گیا۔[1]

اسی طرح یحییٰ بن عبداللہ کے معاملے میں جب ہارون نے اپنے امان نامہ کو توڑنا چاہا تو علماء سے قانونِ اسلامی کی طرف رجوع کیا۔ امام محمدؒ جو قاضی رقہ تھے انہوں نے مخالفت کی مگر قاضی وہب نے ہارون کی تائید بڑی خوشامدانہ اور درباری شان سے کی۔ قاضی وہب اور ان کے حامیوں کا فتویٰ چل گیا۔[1] دراصل اسی اندیشے کی بنا پر یحییٰ بن عبداللہ نے امان نامہ حاصل کرتے ہوتے یہ شرط پوری کر دی تھی کہ اس پر فقہاء، قضاۃ اور بنی ہاشم کے اکابر کی شہادتیں ثبت ہوں۔ مگر اقتدار کی موج ان سارے کناروں کو توڑ کر نکل گئی۔ منصور کے دور میں اہلِ موصل نے بغاوت کی تو قضاۃ سے چاہا گیا کہ وہ ان کو مباح الدم قرار دیں، مگر امام ابوحنیفہ آڑے آگئے۔[2] مامون نے مسئلہ خلقِ قرآن اٹھایا تو روئے سخن علماء و قضاۃ ہی کی طرف رکھا۔ (تفصیل آگے آئیگی)

سیاسی اقدامات کے لیے (جو اسلام سے اصولاً آزاد کر لیے گئے تھے) اسلامی قانون کی تعبیر اور اس کے انطباق میں جو دخل فقہاء و قضاۃ کو حاصل تھا اس نے ان کی سیاسی اہمیت

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۲ ص ۱۷۳، ۱۷۴ - غلامانِ اسلام - از مولانا سعید احمد ایم۔ اے۔ ص ۲۵۷، ۲۵۸ - امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۳۷۷ تا ۳۸۰

[2] تاریخ طبری ج ۱۰، ص ۵۷ - مناقب کردری ج ۲، ص ۱۶۴ - مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۳۱۶ - امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا گیلانی ص ۳۷۴ - سیرت ائمہ اربعہ ص ۲۳۵

بڑھادی۔ اس قول میں شاید ہلکا سا مبالغہ ہو کہ "ایک بار اسلام کی تعبیر کا منصب ان کے ہاتھ میں آجانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاشرہ پر ان کا اثر بسا اوقات خود خلیفہ کے مقابلے میں زور پکڑ جاتا۔"[1] بعد کے دورِ انحطاط میں جبکہ پوری سیاسی قوت سلطان کے ہاتھ میں چلی گئی اور مذہبی مناصب کا دائرہ اختیار بالکل محدود ہو گیا، اس وقت بھی زوردار شخصیتیں خاصی اثر انداز ہوتیں۔ مثلاً ترکی کے "شیخ الاسلام" (GRAND MUETIOF TURKY) کے اختیارات اور اس کے فتوے بسا اوقات سلطان کو بے بس کر دیتے تھے۔ اسی طرح صفوی ایران کے قاضیوں کی آواز معاملات کے طے کرنے میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی تھی۔[2]

گویا فقہا و قضاۃ منصب کی محدودیت کے باوجود تین اطراف سے اثر انداز تھے: ایک دائرہ سیاست میں، دوسرے قانون سازی میں، تیسرے سرکاری اقدامات کے لیے قانون کی تعبیر کرنے میں۔

اس کے علاوہ قاضی کے پاس جو عدالتی اختیار تھا وہ خود ایک بڑی طاقت تھا اور کثیر واقعات ہیں کہ مضبوط قاضیوں نے اقتدار کی خواہشات، مداخلتوں اور سفارشوں کو مسترد کر کے فیصلے دیتے اور کتنے ہی ایسے فیصلے تھے جن کی زد فرمانروا یا اس کے اقرباء کے مفاد پر پڑتی تھی۔ مثالیں دوسرے موقع پر آئیں گی۔ خصوصاً عدالتِ عظمیٰ (یا عدالتِ مرافعہ) جسے "نظر المظالم" یا محکمہ مظالم کہا جاتا تھا (پورا اصطلاحی نام: دیوان النظر فی المظالم) (THE COURT OF REVIEWER OF WRONGS) اور جس کا مسند نشین قاضی مظالم کہلاتا تھا،[3] قاضیوں اور محتسبوں سے

---

[1] THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM. P:296

[2] " " " " " P368

[3] احکام السلطانیہ - ماوردی - باب ہفتم - المحاسن والمساوی بیہقی (مطبوعہ یورپ) ص ۵۷۷ - مروج الذہب مسعودی ج ۸ ص ۲۱ - طبری ج ۳ ص ۱۷۳۶ - مسلمانوں کا نظم مملکت از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۲۲۲-۲۲۵

THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM. P:347-8-

A SHORT HISTORY OF SARACENS—BY AMEER ALI SAYYAD P:422.

HISTORY OF THE ARABS—BY PR. HITTI. P:527.

اوپر بہت بڑا اختیار رکھتی تھی، یہاں تک کہ "رٹ" (WRIT) کی نوعیت کے استغاثے اس کے سامنے جاتے تھے۔ ان اپیلوں کے ساتھ ساتھ جو ماتحت عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف آتیں، وہ فریادیں بھی یہاں سنی جاتیں جو افسرانِ حکومت کے استبداد کے خلاف آتیں[1]۔ اس عدالت عالیہ کی ابتدا حضرت علیؓ نے کی تھی[2]۔ سلاطین بنو امیہ نے اسے باقاعدہ قائم کیا، عبدالملک بن مروان پہلا فرماں روا ہے جو اس کا باقاعدہ اجلاس کرتا تھا۔ عباسی مہدی کے دور سے لیکر مہتدی کے دور تک اس پر کاربند رہے[3]۔ اگر اس عدالت کی اہمیت کی وجہ سے فرمانروا خود اس کے صدر نشین ہوتے۔ اس کے برعکس صورتیں بھی پیش آتیں اور قاضی القضاۃ یا کوئی دوسرا بڑا قاضی خود فرماں روا کے خلاف بھی دادرسی کرتا، نیز قانون کی توضیح و تعبیر کرنے کے لیے فقہا کی ایک صف اس عدالت کے اجلاس کا لازمی جزء ہوتی۔ ہاں، یاد آیا، مصر میں عدالتِ عظمیٰ کا احیاء مملوک سلاطین کے دور میں سب سے پہلے بیبرس کے ہاتھوں ہوا[4]۔

عدلیہ اور قاضی القضاۃ کا منصب اب تک ہم نے عدلیہ اور قضاۃ و فقہاء کے سیاسی اثر پر جو گفتگو کی ہے، وہ بغیر اس کے مکمل نہیں ہو سکتی کہ ہم اس سلسلے میں قاضی القضاۃ کے منصب کی قدر و قیمت کا تصور بھی دلائیں۔ اس عہدے کے قیام سے عدلیہ کی حیثیت پر بڑا گہرا اثر مترتب ہوا۔ پھر خیال رہے کہ بعد میں اقتدار نے اسی منصب کو گرا کر "شیخ الاسلامی" کے نمائشی ادارے کی شکل تک پہنچایا۔ یہ عہدہ فی الحقیقت ایک دودھاری تلوار تھا، یعنی اس کے ذریعے ایک طرف پورا محکمۂ قضا مربوط ہو کر مستقل حیثیت اختیار کر گیا اور قاضی القضاۃ کی

[1] احکام السلطانیہ ۔ ماوردی ۔ باب ہفتم (استغاثوں کی دس اقسام)۔ مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ۔ ص ۳۳۵ — THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM. P 348/349.

[2] حاشیہ [1] کے حوالے ملاحظہ ہوں۔

[3] THE SOCIAL STRUCTURE OF ISLAM ---- BY P:347 - 8.

[4] الخطط ۔ مقریزی ۔ ج ۲، ص ۲۰۸ ۔ مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۳۳۱

شخصیت صدہا فقہاء و قضاۃ کی مرکز اور معاشرہ کے ایک اہم عنصر کی نمائندہ بن کر بجائے خود ایک مضبوط قوت ٹھہری، لیکن دوسری طرف اقتدار کے لیے یہ صورت مفید بھی تھی کہ پورے نظام قضا کا ایک بٹن (SWITCH) اس کے انگوٹھے کے تحت موجود ہوا اور اپنے ڈھب کی ایک شخصیت کو مامور کر کے وہ جب جس طرح چاہے، بٹن دبا دیا کرے۔ چنانچہ اس دو دھاری تلوار نے دونوں ہی جانب کاٹ دکھائی۔

عباسیوں کے کارناموں کا ایک اہم باب یہ ہے کہ انہوں نے سلطنت کے ادارات کو ارتقاء دیا۔ قاضی القضاۃ کے عہدہ کی ایجاد کا سہرا بھی انہی کے سر بندھتا ہے۔ اس منصب کا افتتاح امام ابو یوسف (۱۷۰ھ - ۱۸۳ھ) کے تقرر سے (بہ عہد ہارون) ہوا[1]۔ کہا جاتا ہے کہ یہ منصب فارس سے لیا گیا جس کے لیے وہاں "موبذ موبذان" کی اصطلاح رائج تھی[2]۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے (امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی) اس رائے کی سخت تردید کی ہے۔ بعد میں یہ منصب تمام اسلامی سلطنتوں میں قائم ہوتا گیا۔ علامہ سیوطی کے بقول (حسن المحاضرہ) قاضی القضاۃ کے عہدے پر سب سے پہلے ابوالحسن علی نعمان کا تقرر ۳۶۶ھ میں ہوا[3]۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے قبل فاطمی حکومت نے (۳۹۳ھ میں) حسین بن علی بن نعمان کو قاضی القضاۃ کا منصب تفویض کیا اور چونکہ اس کے ذمے شیعی نظام تبلیغ کا کام بھی تھا اس لیے اسے "داعی الدعاۃ" کا لقب بھی دیا گیا[4]۔ آل بویہ کے فرماں روا بہاء الدولہ نے ۳۹۴ھ میں ابو احمد

---

[1] تاریخ ابن خلدون۔ ج ۳، ص ۲۲۴۔ خطط مقریزی۔ مناقب از موفق۔ ج ۲ ص ۲۲۹۔ تاریخ القضاء فی الاسلام از محمود بن محمد بن عرنوس مصری ص ۹۵ تا ۹۷۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۵۷۔ سیرت ائمہ اربعہ از مولانا رئیس احمد جعفری ص ۲۲۳۔ مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے اردو) از پروفیسر حسن ابراہیم حسن ص ۲۱۶-۲۱۷ — A SHORT HISTORY OF SARACENS BY AMEER ALI SAYYED P:252 422

HISTORY OF ARABS—BY: HITTI. P:326

[2] تاریخ القضاء فی الاسلام از محمود بن محمد بن عرنوس مصری ص ۹۶ [3] ایضاً ص ۹۶

[4] THE SOCIAL STUCTURE OF ISLAM P:388

حسین بن موسیٰ علوی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔[1] مغرب میں ہسپانیہ کی اسلامی سلطنت کے تحت عبدالرحمٰن سوئم اور اس کے جانشین الحکم کے زمانے میں تمام قاضیوں کے اوپر قاضی القضاۃ کا منصب موجود تھا۔[2] اندلس میں قاضی القضاۃ کو قاضی الجامعہ کہا جاتا تھا۔[3]

یہ منصب اصولاً محدود ہونے کے باوجود کتنی بڑی اہمیت رکھتا تھا اس کا اندازہ کرنے کے لیے اجمالاً یہ جاننا ضروری ہے کہ قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں کیا اختیارات تھے ہم ان اختیارات کا جائزہ مختلف گوشوں سے لیتے ہیں :-

۱- دیکھنے کا اوّلین پہلو یہ ہے کہ محکمہ عدلیہ کے تمام اختیارات اوپر جا کر قاضی القضاۃ کے ہاتھ میں مجتمع ہو جاتے تھے۔ سو ان اختیارات پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ سب سے پہلے "قضائے عام" کے اختیارات کو لیجیے جنہیں ماوردی نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ تھے :- قضایا و نزاعات کو فیصل کرنا، حقداروں کو ثابت شدہ حق دلانا، مجنونوں اور نابالغوں کے اموال کی حفاظت، دیوالیہ اور سفہا کے مالی معاملات پر حجر (امتناع) عاید کرنا، اوقاف کی نگرانی اور ان کے آمد و صرف پر نظر رکھنا، جائز وصیتوں کا نفاذ، بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں تو ان کے نکاح کا انتظام کرنا۔ حدود کا اجراء، اپنے ماتحت "امینوں" اور شاہدوں کے کردار پر نظر رکھنا اور خائن اور بدکردار افراد کو ہٹا کر بہتر افراد کا تقرر کرنا، مقدمات میں فریقین کے درمیان امتیاز کو ختم کر کے مساوات قائم رکھنا۔[4]

اسی کے ساتھ عدالت فوجداری (نظارت المظالم) کے حدودِ کار کا نقشہ بھی دیکھیے جس میں قاضی المظالم کی ذمہ داریاں یہ ہیں :- رعایا پر حکام کے ظلم و تعدی کے معاملات کی

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر حسن ابراہیم ۔ ص ۳۲۹ -

[2] تاریخ الخلفاء - علامہ سیوطی - ص ۲۷۴

[3] HISTORY OF ARABS - BY HITTI. P:527

[4] مسلمانوں کا نظم مملکت (عربی سے ترجمہ) از پروفیسر ابراہیم حسن - ص ۲۱۷ -

سماعت، افسرانِ مال کی طرف سے وصولیٔ محاصل میں زیادتی کے دعاوی پر فیصلے کرنا، سرکاری رجسٹروں میں غلط اندراجات کرنے یا اندراجات میں تحریف کرنے والے محرّروں کے خلاف دعاوی سننا، تنخواہیں تقسیم کرنے والوں کی زیادتیوں کا ازالہ کرنا، اموالِ مغصوبہ حقداروں کو دلوانا، اوقاف کی نگرانی، محکمۂ قضا کے فیصلوں کی تنفیذ، محکمۂ احتساب کی پشت پناہی اور جمعہ، عیدین، حج، جہاد وغیرہ عبادات و شعائر کی پابندی اور احترام کرانا اور ان میں کوتاہیوں سے روکنا۔[1]

قضائے خصوصات کے علاوہ عدلیہ کی تحویل میں جو دوسرے بہت سے معاملات تھے ان کی ایک جامع فہرست مصر کے ایک فاضل عطیہ مصطفیٰ نے اپنی تصنیف "القضاء فی الاسلام" میں درج کی ہے۔ اس فہرست میں اوقاف کی نگرانی، بیوہ عورتوں کے نکاح کا انتظام، ناجائز قبضوں اور غلط تعمیروں کی روک تھام، رویتِ ہلال اور دار الضرب (ٹکسال) کی نگرانی جیسے امور شامل ہیں۔[2] قضائے عامہ مطلقہ کی بعض زائد ذمہ داریوں کو مستشرقین نے بھی لیا ہے جن میں اوقاف، یتامیٰ، مجنونوں اور نابالغوں کی سرپرستی اور ان کے اموال کی نگرانی، مذہبی قانون سے سرتابی کرنے والوں کی سزادہی، نائب قاضیوں کا تقرر اور نماز جمعہ کی امامت و خطابت وغیرہ امور شامل ہیں۔[3]　　(باقی)

---

[1] احکام السلطانیہ - ماوردی - باب The Social Structure of Islam. P 348

مسلمانوں کا نظمِ مملکت (عربی سے ترجمہ) پروفیسر حسن ابراہیم حسن - ص ۳۲۵

[2] ماہنامہ چراغِ راہ "اسلامی قانون نمبر" جلد اول - مقالہ "اسلام کا نظامِ قضا" از مولانا خلیل حامدی - ص ۲۰۹ تا ۲۱۰

[3] The Social Structure of Islam P. 225 & 326.